

عدالتِ عظمیٰ پاکستان  
اختیارِ سماعت اپیل زیرِ آرٹیکل (3) 184

بج:

جناب جسٹس جواد الیس خواجہ  
جناب جسٹس سرمد جلال عثمانی

سول اپیل نمبر 90 برائے سال 2011

سال 2010 کی رٹ پٹیشن نمبر 4729 میں عدالتِ عالیہ لاہور کے فیصلے مورخہ 18 مئی 2010 کے خلاف

اپیل کنندہ

غزالہ تحسین زہرا

بنام

مسئول علیہ

مہر غلام دستگیر خان اور دیگر

منجانب اپیل کنندہ: جناب سیف الملوک، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ ہمراہ اپیل کنندہ اور اس کی بیٹی حانیہ فاطمہ

منجانب مسئول علیہ اول: سردار محمد اسلم، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

منجانب مسئول علیہ دوم: حسبِ ضابطہ مسئول علیہ

تاریخ سماعت: 2 فروری 2015

فیصلہ

جسٹس جواد الیس خواجہ: اس مقدمے میں اپیل کنندہ مسماۃ غزالہ تحسین زہرا ہیں۔ یہ بات متنازعہ نہیں ہے کہ ان کی شادی مسئول علیہ مہر دستگیر خان کے ساتھ 9 اگست 1997 کو ہوئی۔ 21 مارچ 2000 کو اس شادی سے ایک بیٹی حانیہ فاطمہ پیدا ہوئی اور 9 فروری 2001 کو ایک بیٹا حسن مجتبیٰ بھی پیدا ہوا۔ مسئول علیہ نے ایک اور شادی کر لی۔ اس کے بعد اپیل کنندہ نے اپنے لیے اور بچوں کے لیے نفقہ کا دعویٰ دائر کر دیا۔ جب اس مقدمے کا نوٹس مدعا علیہ کو دیا گیا تو اس نے 26 جون 2001 کو ایک تحریری طلاق نامہ پیش کردہ دستاویز D/3 تیار کیا۔ 6 جولائی 2001 کو مدعا علیہ نے ایک دعویٰ استقرار حق دائر کیا جس میں اس نے مذکورہ بالا دونوں بچوں کو اپنی جائز اولاد ماننے سے انکار کیا۔ اس دعوے کا پانچواں پیرا دعوے کا بنیادی نکتہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

”یہ کہ اب اچانک والدین کے بہکاوے کے باعث والدین و خود مدعا علیہا نے بلا جواز اور بے بنیاد طور پر من مدعی کے نطفہ اور خود کے بطن سے اولاد ہونا جتلانا شروع کر دی ہے۔ جس کا واحد مقصد من مدعی کی جائیداد ہضم کرنا ہے حقیقت یہی ہے کہ من مدعی کے نطفہ سے مدعا علیہا کے بطن سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی ہے من مدعی ہرگز مدعا علیہا کی طرف سے جتلائے گئے بچوں (حانیہ فاطمہ و حسن مجتبیٰ) کا والد نہ ہے اور نہ ہی شرعاً و قانوناً من مدعی سے ان کا کوئی تعلق واسطہ نہ ہے من مدعی اس ضمن میں ہر قسم کا حلف دینے کو تیار ہے اور من مدعی ہر قسم کے میڈیکل ٹیسٹ کے لئے بھی تیار ہے مذکورہ بچے یا تو مدعا علیہا کی نا جائز اولاد ہیں یا پھر وہ کسی دیگر کی اولاد ہیں انہیں من مدعی سے صرف اور صرف لالچ کے تحت منسوب کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان کا من مدعی سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہے۔“

اپیل کنندہ نے یہ الزامات اپنے جوابِ دعویٰ میں مسترد کر دیے تھے۔

2۔ اس کے بعد عدالتِ سول جج نے دعویٰ اور جوابِ دعویٰ کی بنیاد پر 6 تنقیحات وضع کیں جن میں پہلی دو، جو زیر بحث موضوع سے متعلق ہیں درج ذیل ہیں:-

1- آیا اس شادی کے نتیجے میں فریقین کا کوئی بیٹا یا بیٹی پیدا نہیں ہوئے اور مسماۃ حانیہ فاطمہ اور حسن مجتبیٰ کا مدعی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں ہے اور اگر کوئی ریکارڈ ایسا ہے جو مذکورہ بچوں کو مدعی کا بیٹا اور بیٹی ظاہر کرتا ہے وہ جعلی، فرضی اور دھوکا دہی کے نتیجے میں وجود میں آنے کی بنا پر مدعی کے حقوق پر موثر نہیں ہے؟ بار ثبوت بدمۃ مدعی

2- آیا مدعی کی جانب سے مقدمہ دائر کرنا اس بنا پر ممنوع ہے کہ یہ اس سے اس کے اپنے الفاظ یا طرزِ عمل کی نفی ہوتی ہے۔ بار ثبوت بدمۃ مدعا علیہ“

3۔ مدعی نے، جو اس اپیل میں مسئول علیہ ہے، بطور گواہ خود شہادت دی۔ اس کی شہادت کا ایک اہم جز یہ ہے کہ اگرچہ اس

نے اپیل کنندہ کے خلاف مختلف سنگین قسم کے الزامات لگائے ہیں اور مذکورہ دو بچوں کو کسی اور شخص کی طرف منسوب کر کے اپیل کنندہ پر بدکاری کا بھی الزام لگایا ہے، تاہم جرح میں اس نے یہ بات مانی ہے کہ اپیل کنندہ کے ساتھ ازدواجی تعلق کے دوران شادی کے خاتمے تک اسے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے لیے اپیل کنندہ تک رسائی میسر تھی۔ مسئول علیہ کی شہادت کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ اس نے ان دو بچوں کے نسب کا انکار ان کی پیدائش پر، یا اس کے فوراً بعد، نہیں کیا۔ اس حقیقت کا مسئلہ زیر بحث سے تعلق نیچے بیان کیا گیا ہے۔

4۔ مقدمہ خاصے عرصے کے لیے چلا اور جب فریقین کی شہادت قلمبند ہو جانے کے بعد اسے اختتام تک پہنچنا تھا، مسئول علیہ نے 27 اکتوبر 2007 کو، یعنی مقدمہ دائر کرنے کے چھ سال بعد، ایک درخواست دائر کی۔ اس درخواست میں اس نے استدعا کی کہ اس کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے ڈی این اے (DNA) کا تجزیہ کرایا جائے۔ عدالت نے یہ درخواست 20 مارچ 2008 کو مسترد کر دی۔ تاہم 9 فروری 2010 کو مسئول علیہ کی جانب سے دائر کردہ درخواست نگرانی فاضل ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج نے منظور کر لی۔ نگرانی کے فیصلے کو عدالت عالیہ نے برقرار رکھا جب اس نے اپیل کنندہ کی جانب سے دائر کردہ رٹ پٹیشن نمبر 4729/2010 خارج کر دی۔ نگرانی کا فیصلہ اور عدالت عالیہ کا فیصلہ دونوں غلط بنیادوں پر مبنی ہیں اور ذیل میں مذکور اسباب کی بنا پر ان کو مسترد کرنا لازم ہے۔

5۔ اس مقدمے کے بعض پہلو ایسے ہیں جن کے اثرات بہت دور رس ہیں اور اسی بنا پر ان کے تفصیلی تجزیے کی ضرورت ہے تاکہ آئین کی دفعہ 189 کی روشنی میں قانون واضح طور پر بیان کیا جاسکے۔ تاہم ان اہم پہلوؤں پر بحث سے پہلے یہ ضروری ہے کہ متعلقہ حقائق مختصر بیان کیے جائیں تاکہ بعد میں ہونے والی بحث کے لیے مناسب پس منظر مہیا ہو سکے۔

6۔ مسئول علیہ کی جانب سے دائر کیے گئے مقدمے میں عدالت سے یہ قرار دینے کی استدعا کی گئی تھی کہ مذکورہ دو بچے حانیہ فاطمہ اور حسن مجتبیٰ مسئول علیہ / مدعی کے جائز / حلالی بچے نہیں ہیں اور یہ کہ اس ضمن میں سرکاری ریکارڈ جعل سازی پر مبنی ہے۔ دعویٰ میں مذکورہ بالا پیرا 5 کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسئول علیہ / مدعی کے تعلقات اپیل کنندہ سے نہایت خوشگوار تھے اور یہ کہ شادی کے موقع پر اس نے جو زرعی زمین اپیل کنندہ کو دی تھی وہ بذریعہ انتقال نمبر 459 مورخہ 26 مارچ 2001 اپیل کنندہ کی جانب سے دوبارہ مسئول علیہ / مدعی کے نام منتقل کر دی ہے۔ دعوے کی رو سے، 26 مارچ 2001 کے بعد ہی اپیل کنندہ کے والدین کو انتقال کا علم ہوا اور وہ اسے جبراً شوہر کے گھر سے لے گئے اگرچہ مزعومہ طور پر اپیل کنندہ اپنے والدین کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں تھے۔ دعویٰ میں یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ اپیل کنندہ / مدعا علیہا نے تحصیلدار کو انتقال نمبر 459 کی منسوخی کے لیے درخواست دی تھی لیکن مسئول علیہ نے اس منسوخی کے خلاف عبوری حکم امتناعی حاصل کیا تھا۔

7۔ اس مقدمے کی ایک اور اہم خصوصیت طلاق نامہ (Ex. D/3) ہے جو ایسے حالات میں تیار کیا گیا جو مسئلہ زیر بحث سے متعلقہ ہیں اور جن پر بعد میں اس فیصلے میں بحث کی گئی ہے۔ طلاق نامے میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ مذکورہ انتقال کے بعد ہی اپیل کنندہ کے والدین اسے مسئول علیہ کے گھر سے لے گئے۔ طلاق نامے میں اپیل کنندہ کے کردار اور پاک دامنی پر سنگین

الزامات بھی لگائے گئے جن کا ذکر مسئول علیہ کے دعویٰ میں بھی ہے۔ فریقین نے اپنے اپنے واحد گواہ کی حیثیت سے پیش ہو کر اپنے موقف کی تائید میں شہادت قلمبند کرائی۔

8۔ متعلقہ حقائق کی تاریخ وار ترتیب، مثلاً شادی کی تاریخ 9 اگست 1997، حانیہ فاطمہ کی تاریخ پیدائش 21 مارچ 2000، حسن مجتبیٰ کی تاریخ پیدائش 9 فروری 2001 اور طلاق نامے کی تاریخ 26 جون 2001 ریکارڈ کا حصہ ہیں اور غیر متنازعہ ہیں۔ مزید برآں طلاق نامے (دستاویز نمبر Ex D/3) سے یہ واضح ہے کہ مسئول علیہ /مدعی کے مطابق بھی اپیل کنندہ شوہر کے گھر میں رہتی تھی اور ایسا تو صرف انتقال نمبر 459 مورخہ 26 مارچ 2001 کی تصدیق کے بعد اور طلاق نامہ مورخہ 26 جون 2001 سے قبل ہوا کے اپیل کنندہ کو اس کے والدین شوہر کے گھر سے لے گئے۔ یہ حقائق اور متعلقہ تاریخیں یہ بات واضح کرتی ہیں کہ دو بچوں حانیہ فاطمہ اور حسن مجتبیٰ کا صرف حمل ہی نہیں بلکہ پیدائش بھی اپیل کنندہ اور مسئول علیہ کے درمیان شادی کے دوران ہوئی ہے۔

9۔ اپیل کنندہ کے فاضل وکیل نے ہمیں آگاہ کیا کہ قانون شہادت آرڈر 1984 کی دفعہ 128 سے پہلے موجود شہادت کے قانون 1872 کی دفعہ 112 کے متعلق اور اس کی تشریح کے بارے میں بھارت کی عدالتوں کے فیصلے موجود ہیں۔ تاہم 1872 والے قانون کی دفعہ 112 اور 1984 کے قانون کی دفعہ 128 کے بیچ بعض بنیادی فرق ہیں جو ان عدالتوں کے سامنے نہیں تھے جنہوں نے دفعہ 112 کے متعلق مذکورہ فیصلے دیے ہیں۔ چنانچہ دفعہ 112 کی تعبیر کرنے والے فیصلے موجودہ مقدمے میں معاون نہیں ہیں۔ پس جہاں تک اس عدالت کا تعلق ہے ہمارے سامنے موجود مسئلہ پہلی بار ابھرا ہے جو قانون شہادت آرڈر 1984 کی دفعہ 128 کی تعبیر کا متقاضی ہے۔ قانون شہادت کی دفعہ 128 کا متن، جس حد تک موجودہ مقدمے سے متعلق ہے، ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

”ازدواج کے دوران پیدائش صحیح النسب ہونے کا قطعی ثبوت ہے:

(1) یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی والدہ اور کسی مرد کے درمیان ازدواج جائز کے دوران اور شادی کی تاریخ سے کم از کم چھ قمری ماہ ختم ہونے کے بعد یا اس کے انفساخ سے دو سال کے اندر، جب کہ والدہ غیر شادی شدہ رہی ہو، پیدا ہوا تھا، اس امر کا قطعی ثبوت ہو گا کہ وہ اس شخص کا صحیح النسب بچہ ہے سوائے اس کے کہ۔۔۔

(a) شوہر بچے کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکا ہو یا انکار کر دے۔“

10۔ ہائی کورٹ کے فیصلہ زیرِ اپیل میں یہ کہا گیا ہے کہ دفعہ 128 کے تحت نسب کے حوالے سے مزید شہادت بھی دی جا سکتی ہے باوجود اس کے کہ بچہ اس عرصہ کے اندر پیدا ہوا ہو جو دفعہ 128 میں درج ہے۔ اس فیصلہ کو بطور نظیر تسلیم کرنے کی صورت میں اس کے جو سنگین منفی نتائج مرتب ہوں گے، ہم ان سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ہم پہلے مذکورہ دفعہ 128 کے

مندرجات کا تجزیہ کریں گے۔ یہ دفعہ ایسے الفاظ میں بیان کی ہے جو معاشرتی ہم آہنگی اور سماجی اقدار کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ والدین کے درمیان تنسیخ نکاح کے دو سال بعد (جبکہ ماں اس دوران غیر شادی شدہ رہی ہو) بچے کی پیدائش کو ایجابی طور پر اس کے جائز ہونے کا حتمی ثبوت قرار دینے کی علت یہی معلوم ہوتی ہے۔ بصورت دیگر، نہ کلاسیکی اسلامی فقہاء اور نہ ہی قانون شہادت آرڈر وضع کرنے والے اس سائنسی حقیقت سے غافل تھے کہ عموماً انسانی جنین کی تکمیل تقریباً نو مہینے میں ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے باوجود بچے کے جائز ہونے کے مفروضے کو دو سال تک بڑھا کر انھوں نے نہ صرف قانون سازی کے محرک بلکہ بچے کے جائز ہونے کے مسئلے میں تنازعات سے گریز کی معاشرتی ضرورت کی طرف بھی براہ راست اشارہ کیا ہے۔ اس تناظر میں دفعہ 128 کی ذیلی دفعہ 1 (الف) پہلی نظر میں ایک مشکل پیدا کرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بات بھی مد نظر رہے کہ کلاسیکی اسلامی قانون جو کہ قانون شہادت آرڈر کے پیچھے قوت محرکہ ہے (اگرچہ اسے اس قانون میں پوری طرح نہیں سمویا گیا) اور جس کی طرف اپیل کنندہ کے فاضل وکیل نے اشارہ بھی کیا، اسی علت پر مبنی ہے اور یہی معاشرتی ضرورت اس کی بھی محرک ہے۔ اس ضمن میں ہمیں اپنی روایت میں موجود اس عقیدے پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قیامت کے دن اولادِ آدم کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معبود برحق نے اپنی لامتناہی حکمت اور رحمت کی بنا پر اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اس دن بھی جب تمام ذاتی راز کھول دیے جائیں گے، بچے کے جائز ہونے کے بارے میں رازوں سے پردہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

11۔ یہاں ہم یہ کہتے چلیں کہ قانون شہادت آرڈر (QSO) کی رو سے یہ طے شدہ ہے کہ جب کسی امر واقعی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ ”کسی دوسرے (امر واقعی) کا حتمی ثبوت ہے تو عدالت ایک امر کے ثابت ہونے پر دوسرے امر کو بھی ثابت شدہ مانے گی اور اس کی تردید میں ثبوت پیش کرنے کی اجازت نہیں دیے گی۔“ QSO کے اس قاعدے [دفعہ (9) 2] کا مذکورہ بالا دفعہ کی ذیلی دفعہ 1 (الف) کے ساتھ ہم آہنگ کرنا لازم ہے۔ اب یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ QSO کی دفعہ (1) 128 کی ذیلی دفعہ (الف) کی تعبیر کیسے کی جائے گی۔ کیا QSO کی دفعہ 128 اور دفعہ (9) 2 کے درمیان توافق پر مبنی تعبیر کی کوشش کی جاسکتی ہے تاکہ، موجودہ مقدمے سے تعلق کی حد تک، دفعہ 128 کا کوئی بھی لفظ غیر مؤثر نہ ٹھہرے؟ دفعہ 128 میں طے کیا گیا ہے کہ بچے کی پیدائش جب دفعہ 128 میں مذکور مدت کے اندر ہو تو وہ اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ وہ جائز بچہ ہے۔ جب ایک بار شادی کی ابتدا اور تنسیخ اور دفعہ (1) 128 میں مقرر کردہ مدت کے دوران کسی بچے کی پیدائش کی تاریخیں امر واقعی کے طور پر متعین ہو جائیں، تو اس کے بعد عدالت مذکورہ مدت کے دوران پیدا ہونے والے بچے کے جائز ہونے کی تردید میں ثبوت پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ایسی صورت میں شوہر کی جانب سے ان کو اپنے بچے ماننے سے انکار سے کیسے نمٹا جائے گا؟ اس کا جواب ذیل میں درج ہے۔

12۔ یہ امر پریشان کن ہے کہ مذکورہ دفعہ 128 کی تعبیر کے اتنے اہم مسئلے میں ہمیں وکلاء کی جانب سے کچھ زیادہ

معاونت نہیں مل سکی۔ کسی قانون کے الفاظ کا غیر مؤثر ہونا مقتضی کی طرف آسانی سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ قانونی دفعہ کی ایسی تعبیر کے لیے جو توافق پر مبنی ہو، ہم نفاذِ اسلامی شخصی قانون (شریعت) 1962 (ایکٹ V آف 1962) کی دفعہ 2 کا حوالہ دیں گے جہاں یہ اصول وضع کیا گیا کہ ”کسی عرف یا رواج کے علی الرغم اور رائج الوقت کسی قانون کے تابع --- بچے کے جائز یا ناجائز ہونے --- کے بارے میں تمام سوالات کا فیصلہ اسلامی شخصی قانون (شریعت) کے ذریعے ہوگا بشرطیکہ مقدمے کے تمام فریق مسلمان ہوں۔“ چونکہ ہمارے سامنے دونوں فریق مسلمان ہیں اور مذکورہ دفعہ 2 خصوصی طور پر بچے کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں ہے، اس لیے QSO کی دفعہ 128 کی بظاہر متناقض شقوں کے درمیان تضاد دور کرنے کے لیے لازمی ہے کہ اسلامی شخصی قانون (شریعت) پر مبنی فیصلہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ دفعہ 128 میں مقرر کی گئی مدت کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کے جائز/حلالی باپ ہونے سے کسی شخص کے انکار کی صورت میں لاگو ہونے والے اسلامی شخصی قانون کے ضوابط کا تعین کیا جائے۔ اسلامی شخصی قانون (شریعت) اس معاملے میں واضح اور مسلم ہے۔ اولاً امام ابوحنیفہ کے مطابق باپ کی جانب سے بچے کے جائز ہونے سے انکار اس کی پیدائش کے فوراً بعد، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مطابق اس کی پیدائش کے بعد نفاس کی مدت (زیادہ سے زیادہ 40 دن) کے دوران ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس مقررہ مدت کے بعد قانوناً انکار نسب ممکن نہیں ہے۔ ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری اور دیگر فقہی کتب شریعت اس اصول پر متفق ہیں۔ موجودہ مقدمے میں بیٹی حانیہ فاطمہ کی پیدائش 21 مارچ 2000 کو ہوئی جبکہ بیٹے حسن مجتبیٰ کی پیدائش 9 فروری 2001 کو ہوئی۔ ریکارڈ پر پہلی بار کیا جانے والا انکار نسب طلاق نامے (Ex. D/3) سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ 26 جون 2001 کو لکھا گیا۔ چنانچہ بالکل واضح ہے کہ اسلامی شخصی قانون (شریعت) کے اصول لاگو کرتے ہوئے، جو کہ 1962 کے ایکٹ V کی رو سے لازمی ہے، مسئول علیہ المدعی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ان دو بچوں کے جائز ہونے سے انکار کرے۔ یہ بات QSO کی دفعہ (9) 2 کے بھی مطابق ہے جسے موجودہ مقدمے کے تناظر میں پڑھا جائے تو وہ عدالت کو یہ اختیار نہیں دیتی کہ وہ بچے کے جائز ہونے کی تردید میں ثبوت فراہم کرنے کی اجازت دے۔ اسلامی شخصی قانون کے اس ضابطے کی حکمت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اگر بالخصوص ان معاشرتی رجحانات کو مدنظر رکھا جائے جو پدرسری اور بعض اوقات عورت کو ناپسندیدہ قرار دینے کی سوچ پر مبنی ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کو قوانین کے فوائد حاصل نہیں ہوتے بلکہ الٹا انھیں تذلیل اور حقارت آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورتوں اور معصوم بچوں کی عزت اور وقار کی خاطر، اور خاندان کے تقدس کو دی گئی اہمیت کے پیش نظر بھی، عورتوں اور بے قصور بچوں کو ذلت آمیز تحقیر کا نشانہ بننے کے خلاف قانونی تحفظ اور امان فراہم کیا گیا ہے۔

13۔ قانون شہادت کی دفعہ 128 کو 1962 کے ایکٹ V کی دفعہ 2 کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں جو قانونی نتیجہ سامنے آتا ہے اس کی علت بالکل واضح ہے۔ دونوں وضعی قوانین (مخصوص حالات میں) مذکورہ بالا مدت کے دوران

پیدا ہونے والے بچے کو ایسا جواز عطا کرتے ہیں جس پر کوئی سوال نہیں اٹھایا جاسکتا، نہ ہی اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے، باوجود اس کے کہ کسی حقیقت کے وجود یا امکان کے ثبوت کے لیے سائنسی شواہد ہو سکتے ہوں۔ اس قانون کے وضع کرنے والے یا اسلامی روایت کے فقہا سادہ لوح کم علم لوگ نہیں تھے۔ بچے کے جائز ہونے کے بارے میں ثبوت کی قطعیت اچھی طرح سوچی سمجھی اور قطعاً ارادی تھی۔ شہادت کے ان مذکورہ قواعد تک محدود رہنے سے ایسا معاشرتی مقصد حاصل ہوتا ہے جو مقدمے کے فریقین کے مخصوص کسی مقصد سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ ہمارے مجموعہ قوانین میں کئی ایسی قانونی شقیں اور قانونی اصول یا عوامی پالیسی کے ایسے ضوابط موجود ہیں جن کی رو سے افراد کے مفادات کو عظیم تر عوامی مفاد کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ ہماری رائے میں قانون افراد کو، اور بالخصوص بے رحم باپ کو، اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ غلط اور خلاف قانون بیانات دے کر بچوں اور ان کی ماں کو نقصان پہنچائیں۔

14۔ اس مقدمے سے پیدا ہونے والا دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ دو بچوں، حانیہ فاطمہ اور محمد حسن مجتبیٰ، کو مسئول علیہ / مدعی کی جانب سے مقدمے میں فریق نہیں بنایا گیا۔ ہماری نظر میں یہ مسئول علیہ کے مقدمے میں ایک ناقابل تلافی کوتاہی ہے اور اس مقدمے کے خارج کرنے کے لیے یہ جواز تنہا ہی کافی ہے کیونکہ اپیل کنندہ کو ان دو بچوں کی جانب سے، یا ان کی نمائندگی میں، پیش ہونے کا اختیار حاصل نہیں ہے، نہ ہی اسے اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ مقدمہ دائر کیے ہوئے چودہ سال ہو چکے ہیں۔ ہمارے لیے یہ بات بہت تعجب انگیز ہے کہ جن دو بچوں کو بغیر کسی قصور کے اپنی ساری زندگی تذلیل اور بدنامی سہنی پڑے گی، انھیں مناسب اور منصفانہ دفاع کا موقع دیے بغیر سزاوار قرار دیا جائے۔ یہاں تک کہ قانون شہادت آرڈر اور اسلامی شخصی قانون (شریعت) کی بنیاد پر اپنا مقدمہ لڑنے کا ان کا حق بھی ان کو نہیں دیا گیا۔ وکلاء کی جانب سے معقول معاونت کی کمی سے بھی ہمیں مایوسی ہوئی ہے کیونکہ مقدمے کے مذکورہ بالا پہلوؤں پر ہمارے سامنے، اور بظاہر نجلی عدالتوں کے سامنے بھی، بحث نہیں کی گئی۔ غالب امکان یہ ہے کہ اپیل کنندہ اور اس کے دو بچوں کو پہنچائے گئے سنگین نقصان کی وجہ یہی ہے۔ زیر غور فیصلوں کو مسترد کرنے کی ایک نسبتاً زیادہ موثر وجہ یہ ہے کہ جن بچوں کے جائز ہونے سے انکار کیا جا رہا ہے ان کی شراکت اور شمولیت کے بغیر نسب کے تعین کے لیے امکانی طور پر کوئی ڈی این اے ٹسٹ نہیں ہو سکتا۔ نسب کے تعین کے لیے ماں قطعی طور پر غیر اہم ہے۔ بد قسمتی سے مقدمے کا یہ پہلو زیر غور فیصلوں میں نظر انداز کیا گیا ہے۔

15۔ فیصلے کی تکمیل کی خاطر مسئول علیہ کے فاضل وکیل کے دلائل کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔ انھوں نے مقدمہ بعنوان محمد شاہد ساحل بنام ریاست (PLD 2010 FSC 215) کا حوالہ یہ ثابت کرنے کے لیے دیا کہ ڈی این اے ٹسٹ کو بہترین سائنسی ثبوت قرار دیا گیا ہے۔ تاہم مذکورہ مقدمے کو نظیر کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، اولاً اس بنیاد پر کہ وہ ایک فوجداری مقدمہ تھا جس میں ایک خاتون کی آبروریزی کی گئی تھی اور مسئلہ اس بچے کے نسب کے تعین کا تھا جو مزعومہ طور پر آبروریزی کرنے والے کا تھا۔ تب وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا کہ آبروریزی کرنے والے کو ڈی این اے ٹسٹ پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر یہ موجودہ مقدمے کے حالات میں متعلقہ نظیر نہیں ہے کیونکہ شرعی عدالت کے

سامنے سوال یہ نہیں تھا کہ قانونی شادی کے برقرار رہنے کی صورت میں پیدا ہونے والے بچے کے انکارِ نسب پر QSO کی دفعہ (9) 2 اور 128 یا 1962 کے ایکٹ V کی دفعہ 2 کو اسلامی شخصی قانون (شریعت) کے مسلمہ ضوابط کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

16۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ہم یہ اپیل بمع خرچہ منظور کرتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر نگرانی کا فیصلہ اور ہمارے سامنے زیر غور رٹ پٹیشن نمبر 4729/10 میں عدالتِ عالیہ کا فیصلہ مسٹر داد اور مسئول علیہ کا مقدمہ خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ اپیل کنندہ (یادونوں بچوں) کی جانب سے مسئول علیہ کے خلاف کسی ایسی چارہ جوئی کی راہ میں حائل نہیں ہے جو قانون کی رو سے انھیں میسر ہے۔ ریکارڈ سے بادی النظر میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاید مسئول علیہ / مدعی نے PW1 کے طور پر پیش ہوتے ہوئے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے گیارہویں باب کے تحت بعض جرائم، جیسے جھوٹی شہادت، کا بھی ارتکاب کیا ہو۔ ایسی صورت میں ٹرائل کورٹ اس کے خلاف قانون کے تحت کارروائی کر سکتی ہے۔

اسلام آباد

2 فروری 2015

اشاعت کے لیے منظور شدہ